عائلی قوانین میں شوہر کے فرائض بحیثیت قوامیت کا تجزیاتی مطالعہ

Husband's Duties in Family Law: An Analytical Study of Jurisprudence

Sadeeq Ahmad
Ph.D Scholar Department of Islamic Studies
Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar
Email: sadeeqji@gmail.com
Habiba
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies
Abdul Wali khan University Mardan
Email: shaheenghazala778@gmail.com
Khushhall Shaheen
M.Phil Scholar Department of Islamic Thought and Civilization
School of Social Sciences and Humanities
University of Management and Technology

Abstract

The Islamic faith has exerted regulatory influence on society by utilizing family rules. When an organization is well-structured, and its practices and traditions about inheritance are designed to serve the greater good of humanity, the result is a state of tranquility in the lives of its individuals. Before the Prophet's mission commences, the period transpired devoid of divine revelation, giving rise to numerous challenges throughout this epoch. It is noteworthy, however, that the Prophets had previously established an exemplary societal framework. During the era of Jahiliya, the societal position of men was likewise impacted. Despite numerous amenities for women and families, which males primarily provided, the Jahili community failed to recognize and acknowledge these advancements.

There is a persistent call for equitable freedom for women comparable to men's in contemporary society. According to Western scholars, there is a prevailing belief that men hold a more significant position in the organization of society, thus advocating for the equitable inclusion of women in the process of building and advancing the world. Furthermore, comprehensive responses to inquiries or uncertainties regarding the assertion that Islam defines an individual's nationality have been provided in the past. The subsequent passages examine an individual's citizenship, duties, and the extent of his authority, aiming to facilitate the enforcement of familial legislation. Society has the potential to progress in a positive direction, wherein comprehensive solutions to inquiries about domestic matters can be obtained.

Keywords: Family Laws, Responsibilities of the husband, Man as Ruler, Responsibilities of women

مرد عورت پر قوام ہے، یعنی منتظم ہے۔ کیونکہ ایک ملک، ریاست، خاندان اور گھر تب منظم ہو سکتا ہے جب اس کا کوئی منتظم اور امیر ہو۔ جس قوم کا کوئی امیر اور بڑا نہیں ہو تا وہ سب سے پست اور کمزور بے وقعت قوم گردانی

جاتی ہے اور خاندان تو معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثت رکھتا ہے۔ لھذا اس کے لیے ایسا منتظم اور امیر ہونا انتہائی ضروری ہے جس کی بات مانی جاتی ہو اور وہ ماتحت کے حقوق کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہو۔ اسی لیے مرد کو عورت پر قوام مقرر کیا گیا ہے تاکہ خاندان کی یہ گاڑی اچھی سمت محو سفر ہو۔ قوام کا معنی کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"قوام کہتے ہیں اس شخص کو جو کسی شئے کی نگہبانی اور خبر گیری کرنے والا ہو، اور اسی حیثیت سے اس پر اقتدار رکھتا ہو"[1]

شریعت اسلامی میں رشتہ ازدواج کے ضابطے کے مطابق مرد کو قوام کی حیثیت حاصل ہے مگر کچھ فرائض بھی عائد ہو جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔ مرد کی قوامیت کے حوالے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ"[2]

مرد عورتوں پر قوام ہیں، س بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اس بنا پر کہ وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ شوہروں کی اطاعت کرنے والی اور ان کی غیر موجودگی میں بتوفیق الٰہی ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

مرد کے فرائض

مہر

سب سے پہلا حق یہ ہے کہ عورت کا مہر ادا کرے۔ کیونکہ اس کو عورت پر جو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ اوپر آیت کے حوالے سے مولانا مودودی کہتے ہیں:

"اس آیت میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگرچہ اصل فطرت کے لحاظ سے مرد ہی قوامیت کا مستحق ہے مگر بالفعل یہ مرتبہ اس کو اس مال کے معاوضہ میں ملتا ہے جو وہ مہر کی صورت میں خرچ کرتا ہے۔ اس کی تشریح دوسری آیات میں ملتی ہے"

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے

"وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَمُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً "

اور محرمات کے سوا سب عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں تا کہ اپنے اموال کے بدلے تم ان کو حاصل کرنے کی خواہش کرو۔قید نکاح میں لانے کے لیے،نہ کہ آزاد شہوت رانی کے لیے ۔پس ان سے تم نے جو تمتع کیا ہے اس کے بدلے میں قرارداد کے مطابق ان کے مہر ادا کرو۔

ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا مودودی حقوق الزوجین میں لکھتے ہیں:

"نکاح کے وقت عورت اور مرد کے درمیان مہر کی جو قرارداد ہوئی ہو اس کو پورا کرنا مرد پر لازم ہے۔اگر وہ اس قرارداد کو پورا کرنے سے انکار کرے تو عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے"(3)

معلوم ہوا کہ حق مہر کو ادا کرنے کی وجہ سے مرد کو عورت پر قوامیت حاصل ہے اور اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے ورنہ عورت اپنے آپ پر خود قوام ہے۔مرد کو مہر کے بغیر حق حاصل نہیں ہے۔

نفقہ

مرد کی قوامیت جن وجوہ کی بناپر ہے ان میں سے ایک بیوی کا نفقہ ہے۔نفقہ کیا ہے اس کو ذیل میں واضح کیا جارہا ہے.

نفقہ کی تعریف

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰنؒ نفقہ کی تعریف کرتے ہیں:

"حبس زوجہ کا معاوضہ ہے جس میں خوراک،لباس اور مکان شامل ہے۔شوہر پر اپنی زوجہ کا نفقہ بر بنائے تسلیم نفس واجب ہے۔

یعنی عورت کو محبوس کرنے کے عوض اس کو خوراک،لباس اور مکان مہیا کرنا،اس کو نفقہ کہا جاتا ہے۔اور شرعاً یہ شوہر پر واجب ہے۔

شرائط وجوب

مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہو گا۔

1)جبکہ نکاح صحیح ہو

2)جبکہ عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو۔

3)جب کہ زوجہ مشقت جماع کو برداشت کر سکتی ہو خواہ شوہر نابالغ ہو یا اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو۔

4)جب کہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو مگر شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو یا بغیر وجہ جائز کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو۔

جبکہ عورت بربنائے عدم ادائیگی مہر معجل یا کسی دیگر جائز سبب کی بنا پر شوہر کے گھر آنے سے انکاری ہو، خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔[4]

مرد پر قوامیت کی بنا پر دوسرا حق عورت کا نان نفقہ ہے، جیسا کہ اوپر آیت میں گزرا ہے کہ "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ---وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ "یعنی کہ قوامیت کا ایک سبب یہ ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرے گا۔

مولانا مودودی یہاں فرماتے ہیں "جس طرح مہر وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح نفقہ کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر شوہر اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو قانون اس کو ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ اور بصورت انکار یا بصورت عدم استطاعت اس کا نکاح فسخ کردے گا"[5]

البتہ نفقہ کی مقدار کا تعین عورت کی خواہشات پر مبنی نہیں ہے، بلکہ مرد کی استطاعت پر ہے۔ یہ نہ ہو کہ غریب سے اس کی استطاعت سے زیادہ لیا جائے اور مالدار سے اس کی حیثیت سے کم لیا جائے۔ قرآن نے اس کے لیے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے۔

"عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ " [6]

مالدار پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ اور غریب فقیر پر اس کی استطاعت کی مطابق نفقہ۔

اسی طرح بحر الرائق میں ہے

"تَجِبُ النَّفَقَةُ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا وَالْكِسْوَةُ بِقَدْرِ حَالِهِمَا "

کہ مرد پر بیوی کا نفقہ اور اس کا لباس ان دونوں کی حیثیت کے مطابق واجب ہے۔[7]

ان کا استدلال قرآن کریم سورۃ الطلاق کی آیت "لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ "خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق مال دے۔

ایلا

جب شوہر اپنی بیوی سے قسم کھائے کہ میں اس سے تعلقات نہیں رکھوں گا۔ اور کوئی شرعی عذر نہ ہو مگر اپنی بیوی کو محض تکلیف دینے کے لیے کی ہو۔

ایلا کی تعریف

امام بغویؒ فرماتے ہیں "الیمین علی ترك وطء المرأة"[8] اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت سے قسم کھانا، ایلا کہاجاتا ہے۔ صاحب تفسیر المنار محمد رشید بن علی لکھتے ہیں:

" فَالْإِيلَاء مِنَ الْمَرْأَةِ: أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنَّهُ لَا يَقْرَبَهَا، وَهُوَ مِمَّا يَكُونُ مِنَ الرِّجَالِ عِنْدَ الْمُغَاضَبَةِ وَالْغَيْظِ، "[9]

اپنی بیوی سے ایلاء کرنے کا معنی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی پر غصے اور غضب کی وجہ سے قسم کھائے کہ اپنی اس بیوی کے ساتھ قربت نہیں کرے گا۔

پھر آگے اس کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بیوی کے ساتھ مقاربت خاصہ، معلومہ کو اسے تکلیف دینے کے لئے چھوڑنا گناہ ہے، اور یہ قسم اس چیز کی قسم ہے جس پر اللہ تعالی ناراض ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان میں زوجین کے درمیان مطلوبہ مودت ورحمت ترک ہو جاتی ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا برا اثر خود ان پر، اہل وعیال اور رشتہ داروں پر پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔"

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"عورت کے داعیات نفس کو پورا کرنے سے کسی عذر جائز کے بغیر اعراض کرنا، جس کا مقصد محض اس کو سزا دینا اور تکلیف پہنچانا ہو۔ اس کے لیے قانون اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت رکھی ہے۔ اس مدت کے اندر مرد پر لازم ہے کہ اپنی بیوی سے تعلق زن وشوہر قائم کرلے ورنہ انقضائے مدت کے بعد اس کو مجبور کیا جائے گا کہ عورت چھوڑ دے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ، وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ "[10]

جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا عزم کرلیں تو اللہ سننے اور جاننے والا ہے[11]

معلوم ہوا کہ مرد اپنے اختیارات کو اختیار کرتے ہوئے اپنی بیوی کی مقاربت سے قسم کھا کر اسے تکلیف دینا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے مقصد نکاح یعنی مودت ورحمت اور رشتہ داری کو نقصان پہنچتا ہے۔

ضرار اور تعدی کی ممانعت

بیوی پسند نہ ہو تو اس کو طلاق دے کر آزاد کر دینا چاہیے۔ مگر محض تکلیف اور ضرر دینے اور ستانے کے لیے رکھنے اور بار بار طلاق کے بعد رجوع کرنا، شرعاً ظلم ہے۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ قرآن مجید میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے ایسا کیا تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو خود دعوت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا" (12)

اور ان کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لیے نہ روک رکھو۔ جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا، اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق نہ بنالو۔

صاحب زاد المسیر اس آیت کی تشریح میں امام ضحاکؒ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"إنما كانوا يضارّون المرأة لتفتدي" (13)

وہ اپنی بیویوں کو ضرر دیتے تھے تاکہ انھیں فدیہ پر مجبور کر کے ان کو اپنا مہر دے کر خلع لے لیں۔

اسی طرح ابن جریرؒ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے

"كان الرجل يطلق امرأته ثم يراجعها قبل انقضاء عدتها، ثم يطلقها. يفعل ذلك يضارها" (14)

شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا، پھر اس کی عدت کو پوری ہونے سے پہلے رجوع کرتا، پھر طلاق دیتا ہے، اور یہ کام ضرر دینے کے لیے کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

معلوم ہوا کہ شوہر کا فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ مودت اور رحمت سے پیش آتا رہے، ہاں اگر اس کے ساتھ دلی محبت نہیں ہے تو اس کا طریقہ کار یہی ہے کہ اس کو طلاق دے اور اچھے طریقے کے ساتھ علیٰحدہ کر دے، نہ کہ اس کو ضرر دینے کے لیے ساتھ رکھے، اور دل میں اس کے ساتھ محبت اور مودت کا کوئی ارادہ ہے ہی نہیں، یہ ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ مولانا مودودیؒ ایذا رسانی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ضرر اور تعدی کے الفاظ انتہائی وسیع ہیں، ادنیٰ طبقے کا ہو گا تو مار پیٹ اور گالم گلوچ کرے گا۔ اونچے طبقے کا ہو گا تو تذلیل اور ایذا رسانی کے دوسرے طریقے اختیار کرے گا۔ ضرار اور تعدی کے الفاظ سب پر حاوی ہیں اور قرآن مجید کی رو سے یہ سب افعال ممنوع ہیں، جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اس قسم کا برتاو کرتا ہے وہ اپنی جائز حد سے تجاوز کا مرتکب ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں عورت اس کی مستحق ہے کہ قانون کی مدد لے کر اس مرد سے چھٹکارہ حاصل کرے" (15)

مرد کے اختیارات

قانون اسلام میں مرد کو قوام کی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے اس پر عورت کا مہر، نان نفقہ، نگہبانی و خبر گیری کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کو گھر کے نظم و نسق، اخلاق اور حسن معاشرت کو برقرار رکھنے کے لیے عورت پر کچھ اختیارات عطا کیے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حدود بھی متعین کی گئی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے وہ اختیارات استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

نشوز کی صورت میں اختیار

جب بیوی کی بد اخلاقی، چرب زبانی اور عدم اطاعت حد سے بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اختیار دے کر تین طریقے بتادیے ہیں کہ ان کو بالترتیب اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا" (16)

اور جن عورتوں سے تم نشوز دیکھو، ان کو نصیحت کرو، اور بستروں پر انھیں چھوڑ دو اور ان کو مارو۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان پر سختی کا کوئی طریقہ نہ ڈھونڈو۔

اس آیت کی تشریح میں محمد علی صابونیؒ "ضرب" کے بارے میں کہتے ہیں:

"فإذا لم يرتدعن بالموعظة ولا بالهجران فلكم أن تضربوهن ضرباً غير مبرّح ، ضرباً رفيقاً يؤلم ولا يؤذي ، فإن أطعنكم فلا تلتمسوا طريقاً لإيذائهن" (17)

اگر وہ وعظ، نصیحت اور ہجران کے ذریعے سے اپنے تکبر اور نافرمانی سے باز نہ آئی، تو اس کو مارو، لیکن یہ مارنا زخم دینے والا نہ ہو، بلکہ نرمی کے ساتھ، جس سے اسے کوئی زخم نہ لگ جائے اور نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ اگر وہ اطاعت گزار بن جائے تو پھر اس کو تکلیف اور ایذا رسانی کے طریقے نہ ڈھونڈو۔

اور یہ ایک حدیث سے استدلال ہے جو سلیمان بن عمرو ابن الاحوص اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ، إِلاَّ أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ، فَإِنْ فَعَلْنَ , فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ،وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ" (18)

خواتین کے بارے میں وصیت حاصل کرو، یہ آپ کے ساتھ قید نکاح میں بندھی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ آپ ان پر کوئی ملکیت نہیں رکھتے، الا یہ کہ وہ کوئی فحش کام کریں تو ان سے بستروں میں جدائی اختیار کرو، اور انھیں مارو، لیکن ایسے مارنا کہ جس سے زخم نہ لگے۔

یہاں ہجران کی اجازت دی گئی ہے، لیکن آیت ایلاء میں جو پہلے گزر چکی ہے،اس کے لیے ایک فطری حد مقرر کی ہے کہ یہ علیٰحدگی چار مہینوں سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ مزید عدت کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ سمجھ جائے کہ اس کی پاداش میں مجھے طلاق ہو جائے گی، لھٰذا اس سے بداخلاقی پھیلنے کے خدشات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے مولانا مودودی حقوق الزوجین میں لکھتے ہیں:

"چار مہینے کی مدت ادب سکھانے کے لیے کافی ہے،اس سے زیادہ مدت یہ سزا دینا غیر ضروری ہو گا۔ کیونکہ اتنے دن تک اس کا نشوز پر قائم رہنا،یہ جانتے ہوئے کہ اس کا نتیجہ طلاق ہے،اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں ادب سیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ نیز اس سے وہ مقاصد بھی فوت ہونے کا اندیشہ ہے جن کے لیے ایک مرد کو ایک عورت کے ساتھ رشتہ مناکحت میں بندھا جاتا ہے۔"(19)

طلاق

زوجیت کا مقصد ایک ساتھ پیار و محبت اور مودت کے ساتھ رہنا اور اچھی ،خوشحال زندگی گزار کے ایک دوسرے کے لیے سکون کا ذریعہ بن جانا ہے۔ پس جب یہ مقاصد جس زوجیت سے پورے نہیں ہو پاتے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ لھٰذا ایسی صورت حال کے لیے اللہ تعالیٰ کے جامع اور مکمل دین میں باقاعدہ قانون موجود ہے جس کو طلاق کہا جاتا ہے۔

طلاق کی لغوی تعریف

علامہ بدرالدین عینیؒ طلاق کی تعریف کرتے ہیں:

"رفع القيد مطلقا، مأخوذ من إطلاق البعير وهو إرساله من عقاله"

طلاق اطلاق البعیر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے رسی سے آزاد کر دینا۔ تو طلاق کہتے ہیں مطلقاً کسی سے قید کی بندھن اٹھانا۔

اصطلاحی تعریف:

"رفع قيد النكاح ويقال حل عقدة التزويج"

عورت سے قید نکاح اٹھانا، کہاجاتا ہے کہ نکاح کی گرہ کو کھول دیا۔

شریعت میں مرد کو دوسرا اختیار یہ دیا گیا ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ زندگی اچھی نہ گزر رہی ہو تو اسے طلاق دے کر علیٰحدگی اختیار کرے۔ اور یہ حق مرد کو حاصل ہے عورت کو نہیں، کیونکہ مرد مال خرچ کر کے حقوق زوجیت

حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے جس طرح اس کو حقوق زوجیت حاصل کرنے کا اختیار ہے تو اپنے حق سے دستبردار ہونا بھی اس کے ہاتھوں میں ہے۔ مولانا مودودیؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"عورت کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر وہ طلاق کی مختار ہوتی تو مرد کا حق ضائع کرنے پر دلیر ہو جاتی ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جو شخص اپنا روپیہ صرف کر کے کوئی چیز حاصل کرے گا، وہ اس کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اور صرف اس وقت اسے چھوڑے گا، جب اس کے لیے چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو گا۔ لیکن اگر مال صرف کرنے والا ایک فریق ہو اور ضائع کرنے کا اختیار دوسرے فریق کو مل جائے تو اس دوسرے فریق سے یہ امید کم کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اس اختیار کے استعمال میں اس فریق کے مفاد کا لحاظ کرے گا، جس نے مال صرف کیا ہے۔ پس مرد کو طلاق کا اختیار دینا نہ صرف اس کے جائز حق کی حفاظت ہے بلکہ اس میں یہ بھی مصلحت مضمر ہے کہ طلاق کی کثرت نہ ہو"[20]

اسلام نے مناکحت کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا حکم دیا ہے، لیکن جب ان کے درمیان محبت والفت اور مودت ختم ہو جائے اور یہ پاکیزہ رشتہ مفقود ہو جائے، جس کی وجہ سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے تو پھر ان کو اکٹھے رکھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ پھر اسلام نے فطرت انسانی اور تمدنی مصالح کی رعایت کرتے ہوئے مثالی قانون بنا رکھا ہے، جس کی مثال دنیا کے کسی قانون میں نہیں مل سکتی۔ اسی مضمون کے تحت مولانا مودودیؒ اسلامی قانون کی انفرادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک طرف وہ رشتہ نکاح کو مستحکم بنانا چاہتا ہے مگر نہ اتنا مستحکم جتنا ہندو مذہب اور مسیحیت میں ہے کہ زوجین کے لیے مناکحت کی زندگی خواہ کتنی ہی شدید مصیبت بن جائے، بہر حال وہ دوسرے سے علیٰحدہ نہ ہوسکیں۔ دوسری طرف وہ علیٰحدگی کے راستے کھولتا ہے۔ مگر نہ اتنے آسان جتنے روس، امریکہ اور مغرب کے اکثر ممالک میں ہیں کہ ازدواجی تعلق میں سرے سے کوئی پائیداری ہی باقی نہ رہی اور رشتہ ازدواج کی کمزوری سے عائلی زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہونے لگا"[21]

طلاق اگرچہ ایک جائز عمل ہے لیکن شریعت میں پسندیدہ نہیں، کیونکہ شریعت جوڑنا چاہتی ہے توڑنا نہیں، اس کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

"أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ"[22]

کہ جائز اور حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

دوسری حدیث میں فرماتا ہے

"تزوجوا ولا تطلقوا فإن الطلاق يهتزمنه العرش"(23)

نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق دینے سے عرش ہل جاتا ہے۔

خلع

جس طرح شریعت نے مرد کو اجازت اور اختیار دیا ہے کہ اگر عورت کو ناپسند کرتا ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتا تو اسے طلاق دے، اسی طرح عورت کو بھی حق دیا ہے کہ اگر اس کو اپنا شوہر پسند نہیں اور اس کے ساتھ نباہ نہیں سکتی تو اس سے خلع لے لے۔

خلع کی لغوی تعریف

لغوی معنی ہے، اتارنا، نکالنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، خَلَعَ ثَوْبَهُ وَنَعْلَهُ، اس نے کپڑے اتارے، جوتے اتارے۔

عورت جب اپنے شوہر سے فدیہ کے عوض جدائی اختیار کرتی ہے تو کہا جاتا "خَالَعَتْ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا"

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ خلع کے لیے باب مفاعلہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، دونوں کے درمیان ملابست کی وجہ سے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لباس کی طرح ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہ آپ کے لیے لباس ہیں اور آپ ان کے لیے۔

اصطلاحی تعریف

"أَخْذُهُ الْمَالِ بِإِزَاءِ مِلْكِ النِّكَاحِ"

مرد کا ملک نکاح کے ازالے کے عوض مال لینا۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اولیٰ بعض کا قول ہے کہ خلع کہتے ہیں "إِزَالَةُ مِلْكِ النِّكَاحِ بِلَفْظِ الْخُلْعِ"

لفظ خلع کے ساتھ ملک نکاح کا ازالہ کرنا۔۔ خلع کہلاتا ہے۔(24)

خلع کا قرآن سے اثبات

خلع کی اباحت کے بارے میں قرآن مجید کے اندر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ" (25)

تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ بھی واپس لو، الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو، کہ اللہ کی حدود پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ تو ایسی صورت میں

جبکہ تم کو خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہیں رہ سکیں گے، کچھ مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقد نکاح سے آزاد ہو جائے۔

مولانا مودودیؒ نے اس آیت سے خلع کے متعلق حسب ذیل مسائل مستنبط کیے ہیں:

1) خلع ایسی صورت میں ہونا چاہیے جبکہ حدوداللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔فلاجناح علیھما کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ کہ خلع اگرچہ طلاق کی طرح بری چیز ہے لیکن حدوداللہ ٹوٹ جانے کی صورت میں اس میں کوئی برائی نہیں۔

2) جب عورت عقد نکاح سے آزاد ہونا چاہے، تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنی پڑتی ہے۔ مرد اگر خود طلاق دے تو عورت کو دیے گیے مال سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا، اور عورت جدائی کی خواہش کرے تو وہ شوہر سے لیے گئے مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کر کے جدا ہو سکتی ہے۔

3) عورت محض ایک مقدار مال پیش کر کے آپ سے آپ علیٰحدہ نہیں ہو سکتی، بلکہ علیٰحدگی کے لیے ضروری ہے کہ جو مال وہ پیش کر رہی ہے اس کو شوہر قبول کر کے طلاق دے دے۔

4) خلع کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ عورت اپنا پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ پیش کر کے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور شوہر اس کو قبول کر کے طلاق دے دے۔فلاجناح علیھما فیما افتدت، کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خلع کا فعل طرفین کی رضامندی سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو خلع کے لیے عدالتی فیصلے کو شرط قرار دیتے ہیں۔ جو معاملہ گھر کے اندر طے ہو سکتا ہے۔ اسلام اسے عدالت میں لے جانا ہرگز پسند نہیں کرتا۔

5) اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد قبول کرنے سے انکار کرے تو اس صورت میں عورت کو عدالت سے رجوع کرنے کا حق ہے جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں،فان خفتم الا یقیما حدود اللہ، کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ اس میں خطاب اولی الامر ہی کی طرف ہے، چونکہ اولی الامر کا اولین فرض تو حدود اللہ کی حفاظت ہے، اس لیے ان پر لازم ہو گا کہ جب حدوداللہ کے ٹوٹنے کا خوف متحقق ہو جائے تو عورت کو اس کا وہ حق دلوا دیں جو انھی حدود کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کیا تھا۔(26)

یعنی خلع شرعاً جائز ہے لیکن اس صورت میں کہ عورت اپنے پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو دے کر اور شوہر اس پر راضی ہو جائے اور طلاق دے دے۔ اس میں عدالت جانا ضروری نہیں، البتہ جب

شوہر طلاق نہیں دیتا تو عورت عدالت جا سکتی ہے۔ پھر اگر واقعی عورت کا مطالبہ مبنی بر حقیقت ہو تو عدالت شوہر سے طلاق دلوائے گی، تا کہ حدود اللہ کی حفاظت ہو سکے۔

خلع کا غلط استعمال

عورت کو تو بے شک اپنا شوہر ناپسند ہونے کی صورت میں خلع کی اجازت ہے، لیکن اگر عورت اس قانون شرعی کو بنیاد بنا کر اس کا غلط اور بے جا استعمال کرتی ہے تو یہ اس کے لیے اللہ کے غصے کا باعث بن جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا تطلقوا النساء إلا من ريبة فإن الله لا يحب الذواقين ولا يحب الذواقات"[27](حكم الحديث موضوع أخرجه ابن عدي في (الكامل)[28]

عورتوں کو طلاق نہ دو مگر شک کی صورت میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں سے محبت نہیں رکھتا۔

جس طرح مرد کو حکم ہے کہ مزہ لینے کے لیے بار بار طلاق نہ دیا کرو، اسی طرح عورت کو بھی حکم ہے کہ مزہ چکھنے کے لیے خلع نہ لیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا

ظہار

ظہار کی تعریف

ظہار کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

"کسی مرد کا اپنی زوجہ کو کسی دائمی حرام عورت مثلاً ماں، بہن یا خالہ یا پھوپھی سے تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔ اسی طرح زوجہ کے کسی عضو کو کسی دائمی حرام عورت کے کسی عضو سے تشبیہ دینا بھی ظہار کی تعریف میں داخل ہے بشرطیکہ یہ عضو ایسا ہو جس سے سارے بدن کی تعبیر کرنا جائز ہو"[29]

ابن نجیمؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هُوَ تَشْبِيهُ الْمَنْكُوحَةِ بِمُحَرَّمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّأْبِيدِ"[30]

اپنی منکوحہ کی تشبیہ اپنی محرمہ ابدیہ (جس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو) کے ساتھ دینا، ظہار کہلاتا ہے۔

ظہار کا رکن

محمد بن محمد البابرتی العنایۃ فی شرح الھدایہ میں لکھتے ہیں:

ظہار کا رکن شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہنا ہے

"أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ مَا قَامَ مَقَامَهُ "(31)

تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، یا ان جیسے الفاظ کہے

ظہار کی شرط

العنایہ میں ظہار کی شرط یہ لکھی ہے:

"كَوْنُ الْمُظَاهِرِ عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا وَالْمَرْأَةِ مِنْ نِسَائِنَا"(32)

مظاہر کا عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا، اور اسی طرح عورت بھی ہم میں سے ہو، یعنی مسلمان ہو۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰنؒ لکھتے ہیں:

"ظہار کی شرط یہ ہے کہ شوہر احکام شرع کا مکلف ہو اور تصرف کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ یعنی عاقل و بالغ ہو، عورت اس کی منکوحہ ہو اور ملکیت نکاح قائم ہو"(33)

ظہار کا حکم

ظہار کی صورت میں اصل نکاح باقی رہتا ہے، البتہ دواعی نکاح اور مباشرت اس وقت تک حرام ہے جب تک کفارہ ادا نہ کرے۔ جیسا کہ العنایۃ شرح الھدایۃ میں لکھا ہے کہ ظہار کا حکم:

" حُرْمَةُ الْوَطْءِ وَالدَّوَاعِي مَعَ بَقَاءِ أَصْلِ الْمِلْكِ إِلَى غَايَةِ الْكَفَّارَةِ"(34)

کہ اصلاً نکاح باقی رہتا ہے مگر جب تک مرد کفارہ ادا نہ کرے اس عورت سے صحبت یا بوس و کنار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

ظہار قرآن کی روشنی میں

ظہار کے بارے میں قرآن فرماتا ہے

"وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا"(35)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انھوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو

مہینے کے پے در پے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

العنایہ میں امام بابرتی نے لکھا ہے:

کہ جب مرد اپنی بیوی سے کہے کہ "أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي" تو اس پر کفارہ ادا کرنے تک بیوی حرام ہوگئی، اس کے لئے وطی، مسح کرنا، اسی طرح بوسہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور دلیل میں درجہ بالا آیت پیش کی ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

"ظہار جاہلیت کے دور میں طلاق متصور کیا جاتا تھا، شریعت نے اس کا اصل برقرار رکھا اور اس کا حکم تحریم کفارے کی ادائیگی کے ساتھ موقوف کر دیا۔ اور یہ اس لیے کہ یہ جھوٹ پر مبنی ایک ناپسندیدہ جنایت (جرم) ہے، تو مناسب ہے کہ اس کا جزاء حرمت ہو، اور پھر اس حرمت ختم کرنا کفارے پر موقوف کیا جائے"(36)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظہار اسلام میں بالکل کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مقصود بیوی کو تکلیف دینا ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت نے بھی شوہر کو اس کی سزا بھگتنے دی ہے تاکہ کل کوئی دوسرا بندہ ایسا ناپسندیدہ کام نہ کرنے پائے۔

خلاصہ بحث

دین مکمل ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کی تفصیل موجود ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس کا حل اسلام میں نہیں۔ بالفاظ دیگر اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ فطرتاً جن اشیا کا تعلق انسان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اسلام نے فطرت کے مطابق ان ضروریات کا حل نکالا ہوا ہے۔ اگر کسی چیز کا حل ہمیں نظر نہیں آتا تو یہ ہماری علمی کمی ہوگی۔ اسی وجہ سے اسلام میں تحقیق اور تدبر و تفکر پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ سوچتے نہیں ان کو جانور بلکہ اس سے زیادہ گمراہ قرار دیا گیا ہے۔

عائلی قوانین بھی زندگی کا اہم شعبہ ہے، جس میں زوجین کے مابین معاملات اور تعلقات، والدین اور بچوں کے درمیان زندگی اور تعامل وغیرہ پہ تفصیلی بحث ہوگئی ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام ایک منظم اور مربی دین ہے۔ بدنظمی، بے مہار اور ہر قسم کے قیود سے آزاد زندگی کا قائل نہیں، اسی وجہ سے شوہر کو گھر کا سربراہ اور منتظم بنا رکھا ہے اور دیگر افراد اس کے تابع۔

اسلام میں تفریق، بغض، حسد اور دشمنی کو بہت مبغوض قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ محبت، پیار اور خوشحال زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس پہ زور دیا جاتا ہے کہ ہر وہ کام جو مفضی الی النزاع (یعنی اختلاف کی طرف کھینچنے والا) ہو، اسلام میں اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ محبت، الفت اور مودت کے ساتھ زوجین کا زندگی گزارنا اس پر دال ہے۔ اور اگر یہ عنصر ختم ہو جائے تو پھر ایک دوسرے سے علیحدگی کا حکم ہے۔ طلاق، خلع کے احکام سے ہمیں یہی درس ملتا ہے۔

اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں پاکیزہ اخلاق، خوشگوار اور بے ضرر رہن سہن ممکن ہو۔ اسی وجہ سے ظہار کی صورت میں بیوی کو چار ماہ سے زیادہ لٹکائے رکھنا جائز نہیں بلکہ اسے دوسری جگہ زندگی گزارنے دی جائے، تاکہ اس کے اپنے اخلاق میں کوئی کمی نہ آئے اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی عفت اور اخلاق میں بھی کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

حوالہ جات

[1]) مودودی۔سیدابوالاعلی، حقوق الزوجین، ص33

[2])سورۃ النساء۔آیۃ 34

[3]) مودودی۔سیدابوالاعلی، حقوق الزوجین، ص31۔32

[4]) تنزیل الرحمٰن۔ ڈاکٹر ،مجموعہ قوانین اسلام،، ج1، ص49

[5]) مودودی سیدابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین/ص33

[6])البقرۃ۔آیۃ 236

[7]) ابن نجيم المصري-زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ،(المتوفى970هـ)،البحر الرائق شرح كنز الدقائق،دار المعرفة،مكان النشر:بيروت،ج4،،ص188

[8]) محيي السنة ، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى 510هـ) ،معالم التنزيل،۔دار طيبة للنشر والتوزيع،الطبعة الرابعة، 1417 هـ،ج1ص264

[9]) محمد رشيد بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين، (المتوفى1354هـ)،تفسير القرآن الحكيم (تفسير المنار)الهيئة المصرية العامة للكتاب،سنة النشر: 1990 م،ج2،ص292

[10])سورۃ البقرہ۔آیۃ 226

[11]) مودودی سیدابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین، ص34

[12])سورۃ البقرۃ ۔آیۃ 231

[13]) جمال الدين عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى۔ 597هـ)، زاد المسير في علم التفسير، ج1، ص231

[14]) محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى 310هـ)،جامع البيان في تأويل القرآن،مؤسسة الرسالة،الطبعة الأولى، 1420 هـ ج5ص9

[15]) مودودی سیدابوالاعلیٰ،حقوق الزوجین،ص39

[16])سورة النساء ـ آية 34

[17]) محمد بن علي الصابوني الكتاب،روائع البيان في تفسير آيات الأحكام،ص212

[18]) ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني(المتوفى273هـ)، سنن ابن ماجة،كتب حواشيه- محمود خليل، مكتبة أبي المعاطي،ج3،ص57

[19]) مودودی سیدابوالاعلیٰ،حقوق الزوجین،ص46

[20]) مودودی سیدابوالاعلیٰ،حقوق الزوجین،ص49

[21]) حقوق الزوجین،ص51

[22]) أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني (المتوفى- 275هـ)،سنن أبي داود ، دار الفكر/،ص255، عبيد الله بن الوليد الوصّافي وإن كان ضعيفًا تابعه محمَّد بن خالد الوهبي، وأحمد بن يونس، وباقي رجاله ثقات. لكن اختُلف عليهما في وصله وإرساله

[23]) العيني-بدر الدين الحنفي،عمدة القاري شرح صحيح البخاري،ج30،ص45

[24]) ابن الهمام ـكمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي (المتوفى 861هـ)، فتح القدير،ج9،ص20

[25])سورة البقرة-آية 229

[26]) مودودی ـسیدابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین،ص 62

[27]) العيني-بدر الدين الحنفي،عمدة القاري شرح صحيح البخاري،ج30،ص45-

[28]) لألباني-محمد ناصر الدين ا،السلسلة الضعيفة، ،ج12ص 811

[29])تنزیل الرحمٰن-ڈاکٹرمجموعہ قوانین اسلام،ج2،ص732

[30]) ابن نجيم المصري- زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، (المتوفى970هـ،/البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج10ص391،باب الظهار

[31]) محمد بن محمد البابرتي (المتوفى : 786هـ)/ العناية شرح الهداية ،ج6،ص2

[32])ایضاً

[33]) مجموعہ قوانین اسلام،ج2،ص732

[34]) محمد بن محمد البابرتي ،العناية شرح الهداية، ج6،ص2

[35])سورة المجادله-آية 3-4

[36]) محمد بن محمد البابرتي ،العناية شرح الهداية/،ج6،ص3